© rasailojaraid.com

شخصیت پرستی

از جناب چودہری غلام احمد صاحب پرویز

اسلام کا نصب العین یہ تھا کہ وہ انسان اور خدا کے درمیان براہ راست تعلق پیدا کر دے۔ ایسا تعلق کہ عبد و معبود کے درمیان کوئی دوسرا واسطہ نہ رہے۔ ان کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ ہو۔ نبی اکرم تشریف لائے اور اپنی عدیم النظیر تعلیم اور فقید المثال عمل سے بتا دیا کہ اس بلند ترین تخیل اس زرین نصب العین کو کس طرح عمل میں لایا جا سکتا ہے چنانچہ حضور کا مشن ان شاندار الفاظ میں بتایا گیا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۔ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ۔ ۴۱:۶

کہو کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ پس اسی کی طرف سیدہی راہ اختیار کرو۔ اس سے مغفرت مانگو اور مشرکین کے لیے بڑی ہی خرابی ہے۔

اور اسی کی تفسیر تھی جو پیکر اسلام جناب عمرؓ نے وادی ضجنان میں گذرتے وقت فرمایا اللہ اکبر یہ وہ وادی ہے جس میں ابن خطاب اونٹ چرایا کرتا تھا اور باپ کی سخت گیری برداشت کیا کرتا تھا اور آج اس رب العزت کا اتنا فضل ہے کہ عمر اور اس کے خدا کے درمیان کوئی دوسری طاقت حائل نہیں۔ اس سے مراد محض جسمانی اور روحانی طاقت ہی نہ تھی بلکہ ہر وہ طاقت جو انسان کے قلب و دماغ پر مستولی ہو کر اس کے اور اس کے خدا کے درمیان حاجب و دربان بن جاتی ہے۔

لیکن ہر دقیق نظریہ کی طرح یہ نظریہ تھا بڑا لطیف۔ اور ہر حقیقت عظمیٰ کے مانند یہ حقیقت تھی بڑی غیر محسوس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محسوسات کا خوگر انسان، کہ جس کے سجدہ ہائے جبین نیاز بسیط سے بسیط حقیقت مجردہ کو بھی لباسِ مجاز میں دیکھنے کے لیے رقصاں و جنباں رہتے ہیں، اس غیر محسوس تعلق سے زیادہ عرصہ تک کیف اندوز نہ ہو سکا اور اس نے وہ تمام پردے، ایک ایک کر کے پھر سے گرا لیے جو اس کے اور اس کے خدا کے درمیان حائل تھے اور جنہیں نبی عربی نے ایک ایک کر کے اٹھا دیا تھا۔ قرآن کریم نے بڑی شرح و بسط سے ان تمام مقامات کو ایک ایک کر کے گنا دیا تھا، جہاں سے یہ پردے قلب و دماغ اور سمع و بصر پر گرا کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تک قرآن آنکھوں کے سامنے رہا کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان پردوں کو پھر سامنے لا سکے۔ کہ چراغ کا روشن ہونا ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ اندھیرا وہاں نہ آسکے۔ لیکن جب قرآن مہجور ہو گیا جب بنی اسرائیل کی طرح اس نور مبین کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ تو وہی کچھ ہوا جو ہوتا چلا آتا تھا۔ کہ فطرت کے قوانین اٹل اور اس کا دستور غیر متبدل ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ آیئے ان مختلف پردوں۔ اور ان کے حسین و جمیل نقش و نگار کی سیر کریں جو عقیدت و ارادت کے رنگوں سے مزین اور اطاعت و متابعت کے جواہر سے مرصع ہیں۔

رسول پرستی خدا کے بعد ماننے والوں کے نزدیک ہمیشہ رسول کی ہستی اشرف ترین مخلوق ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر انسانوں میں سے کسی کو خدا کی جگہ دیئے جانے کا احتمال ہو سکتا ہے تو سب سے پہلے وہ رسول ہی کی ہستی ہو سکتی ہے۔ امم سابقہ کی روش اس باب میں جو کچھ رہی ہے اس پر قرآن تفصیلی روشنی ڈالتا ہے، وہ فطرت انسانی کے اس کمزور پہلو سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کس طرح حضرات انبیاء کرامؑ خدا بنائے گئے۔ اس کے بیٹے قرار دیئے گئے۔ الوہیت و ابنیت کی مقدس چادر اڑھا کر انہیں کس طرح ما فوق البشر منوایا گیا۔ قرآن کریم اس خطرناک چور دروازہ کو سیسہ پلائی ہوئی دیواروں سے بند کرنا چاہتا تھا۔ آپ کسی سورۃ کو دیکھیے۔ لفظاً معناً۔ مجملاً تفصیلاً۔ اس غلط عقیدہ کے ہر گوشہ کی تردید اس میں موجود ہوگی۔ یعنی قرآن کریم میں جس درجہ خدا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توحید پر مختلف عنوانات سے زور دیا گیا ہے۔ اسی وجہ رسولوں کی بشریت بھی متنوع اعتبارات سے بے نقاب کی گئی ہے۔ انھیں بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہا گیا۔ (۶ : ۱۸) انہیں خدا کا عبد کہا گیا۔ وہ ہدایت بھی کرتے تھے تو اپنے مالک حقیقی کے حکم سے ہی کرتے تھے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (۲۱:۷۳)

اور ہم نے ان کو امام و پیشوا بنایا جو لوگوں کو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو نیکی کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی۔ اور وہ سب ہماری بندگی کرتے تھے

وہ خود خدا کے دروازے کے بھکاری ہوتے تھے۔

فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (۲۸:۲۴)

اور (موسیٰ) نے کہا کہ پروردگار! آپ جو کچھ بھی بہتری میرے لیے بھیجیں میں اس کا محتاج ہوں۔

انھیں اپنی ذات تک کے لیے نفع و نقصان کا اختیار نہ ہوتا تھا۔

"تم کہدو کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو اللہ چاہے۔ اگر میں غیب کے امور سے واقف ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا۔ اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو صرف ایمان والوں کے لیے نذیر و بشیر ہوں۔ ۷:۱۸۸

جو وحی ان پر نازل ہوتی تھی وہ خود اس پر ایمان لاتے تھے وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ۔ اور اس کی اتباع کرنے پر اسی طرح مامور تھے جس طرح اور ماننے والے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ (۱۰:۱۵) ہر چند اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ امن میں لے کر ان کو ایسا بنایا تھا کہ ان سے معصیت کا سرزد ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ لیکن ان کی بشریت و عبودیت کو پختہ ترین طریق پر واضح کرنے کے لیے یہاں تک بھی فرما دیا کہ بفرض محال اگر یہ بھی شرک و معصیت کریں تو ان پر بھی اسی طرح عذاب ہو جس طرح دوسرے انسانوں پر (۱۲:۲۶ ؛ ۱۰:۱۵) نہیں۔ بلکہ ان کو عام لوگوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دگنا عذاب ہو۔

"اگر (بفرضِ محال) ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک پڑتے اور اس صورت میں ہم تمہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دگنا عذاب دیتے اور کوئی ہمارے خلاف تمہارا مددگار نہ ہوتا۔" (۱۷: ۷۴)

کفار اعتراض پر اعتراض کرتے کہ رسول بھی ہمارے ہی جیسے انسان کیوں ہوں لیکن قرآن بار بار اس بات پر زور دئے جاتا کہ ان وہ انسان ہی ہیں اور انہیں انسان ہی ہونا چاہیے تھا۔ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

"اور کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے ..." (۲۵: ۷)

جواب ملتا ہے کہ:-

"ہم نے تم سے پہلے بھی جس قدر رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے" ... (۲۵: ۲۰)

اور پھر عام انسانوں کی طرح۔ اپنے وقت پر۔ مدت حیات ختم کر کے اس دنیا کو چھوڑ جاتے تھے

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لیے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں

أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (۲۱: ۳۴) کیا۔ پھر اگر تم انتقال کر جاؤ گے تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے۔

البتہ ان کی علمی بصیرت۔ حقائق و معارف کے اس افقِ اعلیٰ پر ہوتی ہے جہاں عام انسانوں کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ ان کے مزکّی و مقدس نفوس کی روحانیت کائنات کے اُس معراجِ کمال پر ہوتی ہے جہاں عام انسانوں کے شہپرِ تخیل کے بھی پر جلتے ہیں۔ ان کے قلب و دماغ کی یہ بلندیاں اپنی نظیر آپ ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ وہ تمام نوعِ انسانی کے لیے ایک نمونہ بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان ہی ہیں۔ بشریت کے حدود سے خارج نہیں ہوتے۔ خدا کے عبد ہی ہوتے ہیں۔ خود معبود نہیں ہوتے اور جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے آتے اس لیے نہیں کہ انسانوں کو اپنی غلامی اور عبودیت سکھلائیں۔ بلکہ اس لیے کہ اپنی تعلیم و عمل سے انسانوں کو خدا کی ایسی عبودیت اور غلامی سکھائیں کہ جس سے تمام دنیا کی غلامی کے طوق و سلاسل اتر جائیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ۔ (۳:۷۹)

کسی انسان کو یہ بات زیبا نہیں کہ خدا اسے کتاب و حکمت و نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ (وہ یہی کہے گا) کہ تم اللہ والے بن جاؤ کہ تم کتاب سکھاتے بھی ہو اور پڑھتے بھی ہو۔

حضور خاتم النبیین ہو کر تشریف لائے۔ اور اس مقصد رسالت کو اس انداز سے پورا کیا کہ آپ کے بعد نہ کسی اور پیغام کی ضرورت باقی رہی اور نہ اس پیغام پر کسی نئے سرے سے عمل کر کے دکھانے والے کی۔ کہ یہ پیغام ازلی یہ صوتِ سرمدی۔ قرآن کی دفتین میں محفوظ و مصئون چلا آتا ہے۔ کہ باطل اس کے پاس تک نہیں چھو سکتا۔ اور اس پیغام پر عمل، ان نقوش قدم کے ذرّے ذرّے سے آفتاب کی طرح روشن اور زندہ ہے کہ جن نقوش قدم سے صراط مستقیم کے نشان ادھر سے ادھر تک سیدھے ملتے چلے جاتے ہیں۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

لیکن ذرا غور کیجیے کہ مسلمانوں نے اپنے رسول کے ساتھ کیا کیا! کیا وہی نہیں جس سے روکنے کے لیے حضور تشریف لائے تھے۔ یہ احمد بے میم (احد) یہ عرب بلا عین (رب) یہانتک کہ۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

وہ جن کے متعلق خدا کا ارشاد تھا کہ اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں۔ بلکہ خدا کے محتاج ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھیں تمام دنیا کے نفع و نقصان کا مالک و مختار قرار دیدینا۔ انھیں (معاذ اللہ) خدا بنا دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ خدا کے عبد کو خدا کہنا۔ عجیب توحید ہے۔ جب اعتراض کیا جائے تو کہدیتے ہیں کہ صاحب! یہ صہبائے عشق و محبت کی سرمستیاں ہیں۔ انسان سب کچھ اپنے محبوب کو ہی سمجھتا ہے۔ عوام کی عقیدت کو جوش میں لانے کے لیے فی الواقع یہ جواب معقول نظر آتا ہے۔ لیکن سوال صرف اتنا ہے کہ امم سابقہ نے جو اپنے رسولوں کو خدا بنا لیا تھا تو کیا بغض و عناد کی بنا پر بنایا تھا؟ وہاں بھی یہی غلو محبت ہی تو تھا جس نے ان کے محبوب کو وہ کچھ بنا دیا جسے قرآن کریم نے شرک قرار دیا۔ بغض و عناد اور نفرت سے کبھی کسی نے رسولوں کو خدا نہیں بنایا۔ تو کیا پھر یہ دلیل پرلطف نہیں کہ جو کچھ پہلی امتوں نے کیا وہ شرک اور اگر وہی کچھ۔ اسی جذبہ کے ماتحت۔ مسلمان کریں۔ تو عین توحید! ایک ہی بیج اور ایک ہی درخت سے دو مختلف پھل لینا۔ فطرت کا مذاق اڑانا ہے۔ حضور کی محبت جزو ایمان ہے۔ ایسی محبت جو ماں باپ اولاد۔ اموال۔ بلکہ خود اپنی جان کی محبت سے بھی زیادہ ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک محبت نہ ہو۔ اتباع کامل ہو نہیں سکتا۔ جس عمل کی محرک آتش عشق ہو اس کا ایک لمحہ۔ سو سال کی ٹھنڈے پانی سے وضو کردہ سرد نمازوں سے زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ کہ یہ صرف سر جھکاتا ہے اور وہ سر کٹاتا ہے۔ یہ زندہ رہنا چاہتا ہے کہ موت کے بعد کا کھٹکا مٹ جائے۔ اور وہ مرتا ہے کہ زندگی کسی پرسے نچھاور ہو کر ٹھکانے لگے۔ اسے ابھی حشر نشر۔ حساب۔ کتاب کے جھگڑے درپیش ہوتے ہیں۔ اور اس کی یہ حالت کہ تمیز ہی نہیں کیا جا سکتا کہ تلوار رگِ جاں سے پہلے چھوئی تھی یا جان باب جنت سے۔

عشق نے اک جست میں طے کر دیے قصے تمام
اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

لیکن صہبائے عشق کی سرمستیوں میں حفظ مدارج و مراتب بھی قرآن ہی نے سکھایا ہے۔ جو کہ بہک گیا وہ خمخانۂ یثرب کا متوالا ہی نہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جنت کی شراب میں سب کچھ ہے۔ لیکن سکر نہیں ہے۔ لہٰذا۔ خدا خدا ہے۔ اور رسول۔ رسول۔ اور رسول کا رتبہ یہی ہے کہ ـــ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد از خدا بزرگ ــــ تو ئی قصہ مختصر

اس سے آگے بڑھنا بھی اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس سے پیچھے ہٹنا۔ کہ مومن ہونے کو جہاں خدا کے لیے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی ضرورت ہے۔ وہاں محمد کے لیے عبدہٗ ورسولہٗ کی شہادت کی بھی۔ اور یہی ایمان ومحبت کی صحیح تصویر ہے۔ اس تصویر کے صحیح رُخ کے لیے دور رسالت اور صحابۂ کبار کا طرز عمل دیکھیے حضور کی عمر بھر یہی تعلیم وتلقین رہی کہ اپنے آپ کو عام انسانوں سے بلند حیثیت نہ دیں۔ اور اپنے ماننے والوں کے قلب ودماغ پر خدا بنکر نہ چھا جائیں۔ اس کے سبب حضور نے ان میں حریت فکر ونظر کی ایسی روح پھونکی کہ آج اس مزعومہ جمہوریت کے دور میں بھی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ معاملات میں خشاو صحابہ کا کئی ایک مواقع پر حضور کی رائے سے اختلاف اختلاف کی کامل آزادی حضور کی رائے کے متعلق تحقیق کہ آپنے وہ رائے یا حکم بمنصب رسول دیا ہے یا بحیثیت محمد۔ یہ سب اس بات کا آئینہ دار ہے کہ حضور ایک عبد مومن میں کس درجہ انسانیت کی آزادی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور ایک کا غلام بنا کر کس طرح دنیا بھر کی مادی غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ یہی تھا وہ ماحول جس میں عقل انسانی نے صحیح نشو ونما پائی۔ اور جس انسان کو خدا نے اسطرح پیدا کیا تھا کہ وہ حیوان کی طرح سر جھکا کر نہ چلے۔ وہ فی الحقیقت اس قابل ہو گیا کہ دنیا میں سر اٹھا کر چلے۔ اسلام انسان کو یہی سربلندیاں اور سرفرازیاں بخشنے آیا تھا۔ اور یہی اس دین فطرت کی خصوصیت تھی۔ ہم نے جب یہ خصوصیت کھو دی تو پھر وہیں جا گرے جہاں سے ابھرے تھے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ۔ کس قدر صحیح حقیقت ہے۔

ائمہ پرستی رسولوں کے بعد عوام کی عقیدت کے مرکز مذہبی پیشوا اور دین کے ائمہ ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے امم سابقہ کے کوائف وحالات سے ہمیں بتایا ہے کہ رسولوں کے بعد یہی لوگ ہیں جن کو خدا کا درجہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (۹:۳۱) ان لوگوں نے خدا سے ورے ہی۔ اپنے مذہبی علماء و پیشوایان دین کو خدا بنا لیا۔

اس کے متعلق جب نبی اکرمؐ سے عرض کیا گیا کہ حضور! یہود و نصاریٰ کبھی اپنے احبار و رہبان کو سجدے تو نہیں کیا کرتے تھے۔ تو حضور نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس چیز کو حلال نہیں سمجھتے تھے جسے وہ حلال بتا دیں، اور اسے حرام جسے وہ حرام کہدیں؟ یہی ارباباً من دون اللہ بنانا ہے۔ یعنی جو منصب و حیثیت خدا کے لیے ہے وہ ان لوگوں کو دیدیں۔ یہی ان کی پرستش ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ مذہب کی پرستش یہ ہے کہ۔

(۱) ان کے فیصلوں کو خدا کے فیصلوں کی جگہ دیدی جائے اور

(۲) انکے ارشادات کو تنقید سے بالاتر سمجھا جائے۔

امم سابقہ نے ایسا کچھ اس لیے کیا تھا کہ ان کی آسمانی کتابوں کے اجارہ دار و محافظ ان کے مذہبی راہ نما تھے۔ لوگ رشد و ہدایت کے لیے ان کے محتاج تھے۔ چاہیے یہ تھا کہ لوگ ان کے فیصلوں کے لیے کتاب کی سند مانگتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ جو کچھ ان ارکین مذہب نے کہدیا اسے ہی فرمودۂ الٰہی سمجھ لیا۔ ظاہر ہے کہ عوام ان کے فیصلوں کو اسی لیے خدا کا فیصلہ سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک وہ فیصلے خدا کے احکام کے مطابق ہوتے تھے یعنی وہ ایسا باور کر لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ حالت یہ ہو گئی کہ لوگ خدا کے فیصلوں سے بے نیاز ہو گئے اور انہی احبار و رہبان کو خدا کا قائم مقام سمجھ لیا۔ اب ان کا ہر حکم وحی منزل کی طرح واجب التسلیم اور ان کا ہر فیصلہ آیت الٰہی کی طرح بالا از تنقید قرار دیا گیا۔ اسی کو قرآن کریم نے شرک قرار دیا ہے۔

قرآن کریم نے فرمایا کہ

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ (۳:۷۲) ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہٰذا اتباع واجب قرآن ہی کی ہوئی۔ پھر

(۳) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو واضح، مفصل اور آسان بنا دیا کہ اس کے سمجھنے کے لیے کوئی خاص "برہمنوں" کی جماعت ہی مختص نہ ہو جائے۔

(۴) پھر قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود اللہ نے لے لی کہ قیامت تک اس میں نہ رد و بدل ہو سکے نہ ترمیم و تنسیخ۔

ان بدیہیات سے ظاہر ہے کہ دین کا تقاضا ہے کہ ہر زمانہ کے مسلمان۔ قرآن کریم کی روشنی کے ماتحت عقل صحیح سے کام لے کر۔ صراط مستقیم پر چلتے جائیں۔ خود بخود منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ ان کو راستہ میں اندھوں کی طرح لاٹھی کی ضرورت ہی نہیں کہ روشنی بھی موجود ہے اور بینائی بھی لیکن غور سے دیکھئے کیا ہم واقعی اسی روش پر چل رہے ہیں؟ عوام کو تو چھوڑ دیجیے کہ اول تو وہ قرآن کریم کا مصرف بجز اس کے کچھ جانتے کہ قسم اٹھانے کے کام آتا ہے۔ اور اگر ان میں سے بعض قرآن پڑھتے بھی ہیں تو ایسے کہ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ ۔ صرف الفاظ کی تلاوت کرتے ہیں۔ خواص۔ کہ جو مذہب کے واحد اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں۔ ان کی یہ حالت کہ کسی معاملہ کے متعلق دینی فیصلہ پوچھیے۔ بتا دیں گے کہ فلاں امام نے اس کے متعلق یہ فرمایا ہے۔ فلاں علامہ کی یہ رائے ہے نسفی میں ایسا لکھا ہے۔ شارح وقایہ کا یہ خیال ہے۔ غرض کہ ان کی سند کسی نہ کسی انسان تک جا کر رہ جائے گی۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ کہیں خدا کا نام نہیں کسی جگہ قرآن کا ذکر نہیں اور اعتراض کیجیے تو جھٹ کہہ دیں گے کہ میاں! ان حضرات (علیہم الرحمۃ) نے بھی تو قرآن پڑھ کر ہی ایسا لکھا ہے۔ ان سے بڑھ کر اور کون قرآن کو سمجھ سکے گا؟ غور فرمائیے! اس جواب میں۔ اور اس میں جو یہود و نصاریٰ اپنے احبار و رہبان کے متعلق دیتے تھے۔ کیا فرق رہ جاتا ہے۔ کیا انہوں نے ان کو ارباباً من دون اللہ ایسا ہی کچھ سمجھ کر نہیں بنایا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملہ یوں ہوا کہ جب اسلامی سلطنت قائم ہوئی تو سلطنت کو لامحالہ تدوین قانون کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اسلام میں چونکہ دین و دنیا الگ الگ شعبے نہیں ہیں اس لیے یہ قانون بھی مذہب ہی کی روشنی میں مرتب ہونا تھا۔ علماء عظام اور آئمہ کرام (علیہم الرحمۃ) کہ جن کو اللہ نے قلب و دماغ کا نور عطا فرمایا تھا، جمع ہوئے۔ اور وقت کی ضروریات کو سامنے رکھکر قانون کے ضابطے مرتب کیے۔ یہ ضابطے سرکاری توثیق سے مستند کرکے عدالتوں میں بھجوا دئیے گئے کہ مقدمات کے فیصلے انہی کے مطابق ہوا کریں۔

ظاہر ہے کہ جب کسی آئینی حکومت کے ضوابط قانون مرتب ہوکر نافذ العمل ہوجائیں تو پھر سوائے حکومت کے اور کسی کو اجازت نہیں رہتی کہ وہ بھی قانون مرتب کرسکے یا ان میں ترمیم تنسیخ کرسکے۔ بعینہ جس طرح سرکاری ٹکسال کے بعد کسی کو سکہ رائج الوقت بنانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہ تھی فقہ کی ابتدا۔ اور یوں دوسروں کو ایک ہی فقہ کے مطابق فیصلے کرنے پر مکلف اور اس میں کمی بیشی یا ردوبدل کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن اس سے ظاہر ہے کہ۔

(۱) نہ تو حضرات فقہاء قیامت تک کا علم رکھتے تھے کہ ہر زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق ایک ہی وقت میں مکمل قانون وضع کردیں۔

(۲) نہ وہ (نعوذ باللہ) خدا ہونے کا دعویٰ کرتے تھے کہ وہ استنباط مسائل میں اپنے نتائج کو تنقید سے بالاتر قرار دیدیں۔

زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے ان قوانین میں تبدیلی کا ہونا بھی ضروری تھا اور اس قانون پر کسی معیار اعلیٰ (قرآن کریم) کی روشنی میں تنقید بھی کی جاسکتی تھی۔ لیکن سلطنت نے جس بنا پر دوسروں کو قوانین میں ردوبدل کرنے (بالفاظ دیگر مزید اجتہاد) سے روکا تھا۔ وہ علت تو نظروں سے اوجھل ہوگئی اور بعد میں آنے والوں نے سمجھ لیا کہ بس اب تدبر و تفکر کا دروازہ باب نبوت کی طرح بند ہوگیا۔

قرآن جتنا سمجھا جانا تھا، سمجھا جاچکا۔ اس سے جو کچھ کیا جاسکتا تھا حاصل کرلیا گیا۔ اب اس کا وجود تبرک کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا میں رہے تو رہے۔ عملی حیثیت سے امت اس سے بے نیاز ہو چکی۔ اس کے پڑھنے سے ثواب ضرور ملتا ہے لیکن اس کا سمجھنا دین پر اضافہ کرنا ہے نتیجہ اس کا ظاہر ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن حکیم جیسی زندہ اور زندگی بخش کتاب۔ منتروں کا مجموعہ بن کے رہ گئی۔ جس سے جھاڑ پھونک گنڈہ تعویذ کا کام لیا جا سکے۔ یا زیادہ سے زیادہ اس کی ادبی اور لسانی لطافتوں پر بحث کرکے اسے الفاظ کا گورکھ دھندا سمجھ لیا جائے۔ کیا یہی تھی وہ غرض جس کے لیے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی تھی؟

تدوین فقہ کا تعلق معاملات کی دنیا تک ہی تھا۔ اگر باب اجتہاد بند ہوتا تو وہ اسی حصہ تک بند ہوتا لیکن آہستہ آہستہ دین کے قصر رشید کا ہر ایک دروازہ اور کھڑکی بند کر دی گئی حقائق و معارف پر بھی وہی چادر تقلید چھا گئی۔ حتیٰ کہ نوبت بایں جا رسید کہ دین سے قطع نظر، دیگر علوم و فنون میں بھی جو کچھ سلف نے لکھ دیا قول فیصل اور حرف آخر سمجھ لیا گیا۔ اب زمانہ کچھ کہے آپ کی بصیرت کا تقاضا کچھ ہو، آپ نہ اس کے خلاف نہ اس سے زیادہ کچھ سمجھ سکتے ہیں جو سمجھا جا چکا، اور نہ کہہ سکتے ہیں جو کہا جا چکا۔ نہ سر میں دماغ اپنا ہو سکتا ہے۔ نہ سینے میں آپ کا دل اپنا۔ نہ آپ کی اپنی آنکھیں نہ سننے کان، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ دنیا کہیں سے کہیں چلی گئی۔ لیکن امت مسلمہ کی سطح فہم و ادراک جو ہزار سال پہلے تھی وہی آج ہے۔

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے اکھڑ گئے یہ مری جبین نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

غور تو کیجیے کیا یہ سلف کی پرستش نہیں! کیا یہ ان کو احبار و رہبان کی طرح خدا کا درجہ دینا نہیں!! کیا ان کی نگاہ کو قیامت تک کے آنے والے واقعات کا مبصر اور تمام حالات و کیفیات کا واقف سمجھنا اور ان کے فیصلوں کو تنقید سے بالاتر قرار دینا، انھیں خدائی صفات کا حامل سمجھنا نہیں! اللہ تعالیٰ نے اللہ والے (ربانین) بننے کے لیے قرآن کریم کو ہی معیار قرار دیا تھا (۳ : ۷۸) اس نے تو قرآن کریم کو نازل فرما کر اس کی تبیین و تفصیل بھی اپنے ذمہ لے لی تھی کہ لوگ اس باب میں بھی دوسروں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محتاج ہو کر ان کی عبودیت اختیار نہ کریں۔

الٓرٰ۔ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ۔ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ (۱۱: ۱-۲)

ایسی کتاب کہ جس کی آیات محکم بنائی گئی ہیں پھر (اس کے ساتھ) صاف صاف بھی بیان کی گئی ہیں خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے تاکہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبدیت اختیار نہ کرو۔ (اور) میں تم کو اس کی طرف سے آگاہ کرنے اور بشارت دینے کے لیے (آیا) ہوں۔

پھر یہ بھی دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی غرض کیا تبلاتا ہے جو نبی اکرمؐ کے واسطہ سے دنیا تک پہنچا۔ سورۂ جاثیہ کے دوسرے رکوع میں سلسلہ کلام یوں شروع ہوتا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو کتاب و حکمت و نبوت عطا فرمائی ان کو دیگر اقوام عالم پر فضیلت عطا کی، اور انہیں دین کی بینات بھی دی گئیں لیکن انہوں نے علم آجانے کے بعد باہمی ضد اور ہٹ سے اختلافات پیدا کر لیے۔ ان کے اختلافات کا تو قیامت میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ لیکن دنیا کو تو ضرورت تھی کہ خدا کا وہ دین جو انسانی اختلافات کی نذر ہو کر مسخ ہو چکا تھا پھر سے دنیا کو مل جائے۔ اس کے لیے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْہَا وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ ۴۵: ۱۸

پھر ہم نے تمہیں (اے رسولؐ)، دین کی ایک شریعت پر مبعوث کیا۔ پس اس کا اتباع کرو۔ اور ان لوگوں کے خیالات کا اتباع مت کرو جن کو علم نہیں ہے۔

یہ دین شریعت کہاں ہے۔ اس کا جواب بھی وہیں ہے کہ

ھٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔ (۴۵: ۲۰)

یہ قرآن ہے جو تمام نوع انسانی کے لیے بصیرت ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت۔

قرآن ہر زمانے کے انسانوں کے لیے بصائر ہے۔ اس لیے اس میں بار بار غور و فکر، تدبر و تعمق کی تاکید کی گئی ہے۔ جو ایسا نہیں کرتے ان کو کہیں شر الدواب کہا گیا۔ کہیں کالانعام بتایا گیا۔ جہنم ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھری گئی۔ ان کے قلوب پر مہریں۔ ان کی آنکھوں پر پردے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ بتائے گئے۔ کیسے کہ جو کتاب اس طرح عقل و بصیرت کو دعوت دیتی ہو جس کے لانے والے کا سب سے پہلا دعوی یہ ہو کہ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ۔ اس کتاب میں کورانہ تقلید کی کہاں گنجائش ہے جمود و تعطل وہ کب روا رکھ سکتی ہے قرآن انسانوں کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کے لیے آیا تھا لیکن آنکھیں بند کر کے بیٹھا رہنے والا تو خواہ ظلمت میں ہو خواہ نور میں یکساں ہے۔ علم اجتماعی حیثیت سے قوموں میں وراثۃً منتقل ہوتا اور قومی سرمایہ کی طرح بڑھتا رہتا ہے، لیکن جو قوم علم کی کسی خاص سطح کو منتہائے کمال سمجھ کر فارغ ہو بیٹھے اس کا مآل معلوم۔ چنانچہ وہ قوم جو دنیا میں تمام نوع انسانی کی امامت کے لیے آئی تھی۔ ہمیشہ دنیا کے پیچھے پیچھے رہنے کی عادی ہو گئی۔ وہ ملت جس کے ہاتھ میں اس قدر عظیم الشان قندیل دی گئی تھی کہ جس کی روشنی مشرق و مغرب کے امتیازات ہٹا کر اقصائے عالم کو منور کرنے والی تھی۔ اب ہر جگنو کو شمع راہ سمجھ کر اس کے پیچھے لپکنے کی خوگر ہو گئی۔ یہ راستہ آسان تھا۔ اس میں سہل انگاری اور آرام طلبی تھی۔ اجتہاد کے لیے ذہنی جہاد اور اس کے ساتھ ساتھ جسمانی مجاہدے کی ضرورت تھی۔ تقلید میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جس کو باپ دادا کے ورثہ سے ریاست مل جائے۔ وہ خود محنت کیوں کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وراثت میں سکہ ان کو وہ ملے جو اصحاب کہف کے سکہ کی طرح صدیوں پہلے کا ہو۔ درحقیقت تقلید اختیار ہی وہ قوم کرتی ہے جس میں مجاہدانہ روح باقی نہ رہے۔ ہر قوم کی تاریخ ہمیں ایسا ہی بتاتی ہے۔ خود قرآن کریم اس پر شاہد ہے۔

اور تم سے پہلے (بھی) کوئی رسول کسی بستی میں نہیں آیا کہ وہاں کے خوش حال (آرام طلب) لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم نے اپنے آبا کو ایک طریق پر پایا اور ہم انہی کے نشانات کا اقتدا کرتے چلے جا رہے ہیں۔ (۴۳ : ۲۳)

لیکن یہ یاد رہے کہ اس مکافات عمل کے دن کہ جب "سمع و بصر و قلب" ہر ایک سے الگ الگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باز پرس ہوگی - آپ یہ کہکر نہیں چھوٹ سکینگے کہ ہم نے فلاں امام کی تقلید کی تھی - فلاں عالم کا اتباع کیا تھا - متبوع حضرات آپ کے اس اتباع سے ہی انکار کردیں گے - کیونکہ انہوں نے کبھی کسی کو ایسے اتباع کا حکم نہیں دیا تھا

"جس وقت وہ لوگ جو متبوع تھے اپنے متبعین سے بیزار ہو جائیں گے - اور سب عذاب کا مشاہدہ کریں گے - ان کے باہمی تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے" (۲ : ۱۶۶)

اس وقت متبعین سے پوچھا جائیگا کہ تم نے جو ان کی پرستش شروع کردی -

"کیا تمہارے پاس پیغمبر بینات لے کر نہیں آئے تھے - وہ کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے - (۴۰ : ۵۰)

اس سے خود سمجھ لیجئے کہ مقصد کیا ہوا -

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ سلف سے جو کچھ تمہارے پاس آیا ہے معاذ اللہ سب گمراہ کن ہے - ایسا کون کہہ سکتا ہے - مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں ان سے ملا ہے آنکھیں بند کرکے اس کی پیروی نہ کرو - بلکہ شمع قرآنی کی روشنی میں ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھو - وہ بھی تمہاری ہی طرح کے انسان تھے - غلطی کرسکتے تھے - لیکن قرآن کی کسوٹی کبھی غلطی نہیں کرسکتی - جو اس کسوٹی پر پورا اترے دین وہی ہے اور بس - و ذٰلک الدین القیم -

یہ تو ائمہ فقہ اور علماء سلف کی تقلید و اتباع سے متعلق تھا - ائمہ پرستی میں ان کے علاوہ ایک اور جماعت بھی ہے - لیکن وہ ہمارے اس موضوع سے خارج ہے - اس لیے کہ وہ اپنے ائمہ حضراتؒ کو معصوم اور منصوص مانتے ہیں - اور اس امامت کو ایک خاندان میں مقید و محدود سمجھتے ہیں - اب ظاہر ہے کہ جس شخص کو فہم قرآن اس عقیدہ کی اجازت نہ دے اس کے نزدیک تو یہ عقیدہ سرتاسر نسل پرستی بن کے رہ جاتا ہے - اور یہ ایک ایسا بنیادی اور اصولی فرق ہے جس کی وجہ سے ہمارا ان حضرات سے تخاطب ہی بے معنی ہے - (باقی)

© rasailojaraid.com